پاکستانی ادب میں آپ بیتی

Autobiography in Pakistani Literature

حمیرا صادق
پی ایچ ڈی سکالر، نمل اسلام آباد
ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نمل یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

Biography is the detailed description of a person's life whereas autobiography is "the story of a person's life written by that person". Autobiography is an authentic and reliable source to preserve the history of one's time period. In world literature autobiography is the most important genre. so many writers, poets, political leaders, philosophers, intellectuals and other great personalities of world writes their personal experiences by autobiography. An individual effort becomes in the process of Autobiography. The purpose of auto biography is to give you real and genuine life history of the person you are reading about. In 18th century under the influence of English literature autobiography was introduced in Urdu literature. Its stylistic features developed with the passage of time. After the emergence of Pakistan writers paid special attention upon autobiography development. This article critically analyze autobiography in Pakistani literature.

کلیدی الفاظ؛

خود نوشت سوانح حیات تمدن, تاریخی دستاویز, معتبر, جانبداری , بےتعصبی, داخلی کیفیات, عملی تجربات, روزنامچہ یادداشت, خارجی زندگی

سوانح تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے۔اس میں کسی شخص کی ذاتی زندگی کے پیدائش سے وفات تک کے تمام حالات اس کے نشیب و فراز۔کامیابیاں اور ناکامیاں۔اس شخص کے ظاہر و باطن،معاشرتی رویے،طور طریقے،خاندان ، تعلیم،مشاغل سب کی تصویر کشی ہوتی ہے ہم اس کو فرد واحد کی زندگی کی عروج و زوال کی داستان بھی کہہ سکتے ہیں۔آکسفورڈ ڈکشنری میں سوانح حیات کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

''ادب کی قسم کے طور پر کسی ایک شخص کی حیات کا تاریخی مطالعہ سوانح حیات کہلاتا ہے۔'' *

سوانحی ادب تین بنیادی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔تاریخ،فرد اور کہانی پر،اگر کسی سوانح میں ان سے کوئی ایک پہلو کمزور ہو تو وہ سوانحی ادب میں پوری نہیں اترے گی۔اسی لیے اچھی سوانح عمری میں صرف واقعات کا طویل سلسلہ ہی کافی نہیں ہوتا۔بلکہ جذبات، حسن ترتیب و تدوین کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔توازن اور تناسب ہر آرٹ و ادب کے لیے ضروری ہے۔کسی بھی سوانح عمری میں ہم تاریخ کو تلاش کر سکتے ہیں۔لیکن تاریخ میں فرد کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔سید احتشام حسین لکھتے ہیں۔

''سوانح نگاری جتنی آسان چیز معلوم ہوتی ہے اتنی ہی مشکل بھی ہے۔''

حوالوں سے سوانح عمری کے متعلق ڈاکٹر عبدالقیوم رقمطراز ہیں۔

سوانح نگاری کے فن کی اس طرح وضاحت کی جا سکتی ہے۔

''شخصیت کا انتخاب ، شخصیت کا ارتقاء، واقعات کا انتخاب، ترتیب، نتائج، منصفانہ، شخصیاور مسائل۔''

یہ ترتیب سوانح عمری کو مضبوط بناتی ہے۔کیونکہ تمام فن لوازم اس ترتیب میں پورے اُترتے ہیں سوانح نگار اپنے عہد کی نمائندہ کو منتخب کرتا ہے اور ایک خاص حسن ترتیب کے ساتھ تمام حقیقی واقعات کو باربط انداز میں جوڑتا ہے۔اس سے سوانح نگار کے ذہنی ارتقاء کو آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔یوسف جمال انصاری لکھتے ہیں۔

> ''سوانح نگاری کے لیے چند شرائط ضروری ہے۔اول یہ کہ وہ اپنے فن سے پوری طرح واقف ہو۔دوسری یہ کہ سوانح نگار زمانے کے بدلتے ہوئے مذاق کے مطابق شخصیت کے اُن عناصر پر زور دے جو قارئین کی نگاہ میں اہمیت رکھتے ہوں۔تیسری یہ کہ سوانح نگاری کے ذریعے شخصیت نگاری کا فن ترقی آسکے۔'' *

سوانح نگار کا اپنے دور کی تاریخ۔معاشرت،معشیت،سیاسی،تمدنی حالات کا مطالعہ ہونا از حد ضروری ہے۔اور اس میں تناسب و توازن قائم رہنا بھی فن ہے۔تناسب و توازن ہی سوانح عمری کو تاریخی دستاویز سے ہٹا کر الگ ایک مقام عطا کرتا ہے۔سوانح عمری کو کسی بھی فرد کے بارے میں حتمی رائے یا حرف آخر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ سوانح نگار کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔وہ ایک خاص نقطہ نگاہ سے جائزہ لے رہا ہوتا ہے ۔سوانح عمری میں ایجاز و اختیار،اظہار حقیقت،بے تعصبی،غیر جانبداری،غیر جذباتی انداز،آزادیٔ خیال، ترتیب وتدوین میں توازن ہونا ضروری ہے۔

آپ بیتی ایسی تحریر ہے جس میں مصنف اپنی زندگی کی داستان،حالات و واقعات خود اپنے قلم سے قلمبند کرے،یعنی کوئی شخص اپنی داستانِ حیات کو خود اپنے قلم سے احاطہ تحریر میں لائے۔آکسفورڈ ڈکشنری میں آپ بیتی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

[5]"The story of a person is live written by that person"

انسائیکلوپیڈیا امریکا میں خصوصیاتِ آپ بیتی اس طرح درج ہے کہ

> "Auto biography is literally a man's recording of his own life … autobiography has been provoked by a variety of motives , It may be Confessional in which the motive is to unburden one's self of a feeling of guilt apologetic, In which the

written attempts to declare and to justify the course of his life or a particular action there of exploratory , when he uses the act of writing as an instrument of research and probing into his own un examined behavioral patterns ; or simply egocentric portraiture when the writer assumes that "his life is worth sharing with others".[6]

وہاج الدین علوی آپ بیتی کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

''خود نوشت سوانح حیات ادب کی وہ تخلیق صنف ہے جو کسی فرد واحد کی زندگی کے ادوار پر محیط ہوتی ہے۔اور اس کے قلم کے مرہونِ منت ہوتی ہے جس کے آئینہ میں اس فرد کی داخلی اور خارجی زندگی کا عکس براہِ راست نظر آتا ہے اور اس کا عہد بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔''[7]

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے الفاظ میں:

''آپ بیتی محض احوال و واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی داخلی کیفیتوں، دلی احساس عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔''[8]

در حقیقت آپ بیتی ایک مشکل فن ہے۔اس میں سچائی کا دامن تھامنا پڑتا ہے جو کہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔اسی بارے میں آل احمد سرور لکھتے ہیں۔

''جینا ایک فن ہے۔اور آپ بیتی فن لطیف۔اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بڑی سچائی اور بڑے کھرے پن کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کا راستہ بھی پل صراط کی طرح بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔''[9]

فنِ آپ بیتی پر ڈاکٹر سید عبداللہ کچھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

''ایک اچھا سوانح نگار اپنے فن کی لاج رکھنے کے لیے بہت سی ایسی باتیں بیان کر دیتا ہے جو خود نوشت نویس کے لیے ممکن نہیں ہوتیں۔ سوانح نگار اپنے ہیرو کردار کا جج بن سکتا ہے۔اس کی کمزوریوں کا شمار بھی کر سکتا ہے لیکن آپ بیتی میں اپنی محبت اور دوسروں کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ وہ نہ

صرف اپنے گناہوں کی صحیح فہرست پیش کر سکتا ہے۔اور یہ اپنا صحیح جج بن سکتا ہے۔"[10]

اُردو ادب کی آپ بیتیوں میں یہ نقائص موجود بھی ہیں۔ کیونکہ مصنف اپنی ذات کے بارے میں سب کچھ بتانے سے ہچکچاتا ہے۔اور دنیا کے سامنے صرف اپنا مثبت رخ اور رویہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تاکہ اس کے بارے میں لوگ بہتر رائے قائم کر کے اس کی ذات سے متاثر ہو سکیں ڈاکٹر سید شاہ علی آپ بیتی کو معتبر صنف ادب مان کر اس کا سوانح عمری سے اس طرح تقابل پیش کرتے ہیں کہ :

"خود نوشت سوانح نگار کے لیے اس کی پردہ داری کہ وہ کس قسم کا انسان ہے، ناممکن ہے۔اس کا طرز بیان ہی اسے ظاہر کر دیتا ہے چونکہ وہ اپنے آپ سے بہترین واقفیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی تصویر بھی عمدہ ترین پیش کر سکتا ہے۔ بہر حال سوانح نگار جو اس سے کم تر معلومات کا مالک ہے اس سے صحیح تر تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ خود نوشت سوانح عمری قاری کو پس پردہ داخلے کی اجازت دیتی ہے۔اور وہ وہاں سے ہر ایک چیز کا مطالعہ کر سکتا ہے گویا یہ تصنیف اس کے لیے ایک آئینہ ہے جس میں وہ مصنف کے خدوخال اور شخصیت کا عکس دیکھ سکتا ہے۔"[11]

اخلاق ، تہذیب اور سلیقہ جس طرح انسانی رویوں میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں ۔ اسی طرح دلکش اسلوب بھی تحریر کو پر کشش بنا دیتا ہے۔ بہترین واعلیٰ خیالات کی ترجمانی کے لیے بہترین اسلوب کی ضرورت ہوتی ہے ۔آپ بیتی کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کا اسلوب جس قدر سادہ ہو گا قاری کی دلچسپی اس قدر زیادہ ہو گی۔اسلوب کی اہمیت بتاتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں۔

"آپ بیتی قلمبند کرنے والے اور اس کے قارئین میں کسی طرح کا بھی قلبی تعلق اور ذاتی رشتہ نہیں ہوتا۔ قاری آپ بیتی کا مطالعہ اس توقع پر کرتا ہے۔ کہ دیکھیں کیا گزری قطرہ پر گہرے ہونے تک ! اس لیے حقیقی ہونے کے باوجود بھی اسے محض حقیقی نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس میں چیزے دگر بھی ہونی چاہیے شاید یہ مثال پسندیدہ نہ ثابت ہو۔بگھار کے بغیر بھی دال کھائی جا سکتی ہے لیکن گھی کے بگھار سے اس میں جو فلیور پیدا ہو جاتا ہے وہ اسے زیادہ لذیز اور دل پسند بنا دیتا ہے ۔ بس یہی کام آپ بیتی کا بھی ہونا چاہیے ۔ کہ واقعات و کوائف کے بیان کے ماوراد لچسپی کا فلیور بھی ملے ۔ یہ فلیور اسلوب سے پیدا ہوتا ہے۔"[12]

آپ بیتی کی تکنیک میں ناقدین نے آپ بیتی کی ضخامت کا کوئی معیار متعین نہیں کیا جمال انصاری لکھتے ہیں۔

''آپ بیتی خواہ چند سطروں پر مشتمل ہو خواہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل بہر حال آپ بیتی ہی ہوتی ہے۔''[13]

یوسف جمال انصاری کے اس قول کے پیش نظر آپ بیتی کے صفحات کی تعداد کوئی متعین نہیں ہے۔ بلکہ آپ بیتی لکھنے والے پر منحصر ہے وہ کس انداز کو بروئے کار لاتا ہے۔ عمومی طور پر آپ بیتی ایک مفصل کتابی صورت اور مختلف ادوار کی ابواب بندی کی صورت میں لکھی جاتی ہے۔اردو میں آپ بیتی کئی انداز سے لکھی جاتی ہے اور ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتیوں کی اقسام بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' اردو میں لکھی ہو آپ بیتیاں بھی کئی طرح کی ہیں : مکمل حالات زندگی، زندگی کے کسی حصے کی روئیداد پالیسی سوانح عمری جس کی مدد سے اپنے اہم فن یا اہم کارنامے کے ارتقاء کی داستان مرتب کی ہو ،روز نامچے اور سفر نامے ، شخصی جھلکیاں یا شخصی خاکے، شخصی جھلکیاں یا شخصی خاکے، کسی کی کہانی اس کی زبانی، شخصی اشاریئے۔''[14]

سوانح کے مقابلے میں آپ بیتی لکھنا زیادہ مشکل کام ہے ۔ کیونکہ اپنی ذات کی برائیاں ، منفی رویوں کے اظہار کے لیے ظرف چاہیے۔اور یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ جبکہ کسی دوسرے شخص کی زندگی کو احاطہ تحریر میں لا کر اس کی ذات کو موضوع بحث بنا نا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔آپ بیتی میں سچائی کا عنصر سوانح کی نسبت زیادہ غالب ہوتا ہے۔آپ بیتی لکھنے والے اپنے ذاتی تجربات، واقعات و مشاہدات سے زیادہ اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں۔اور ان کے لیے وہ کیفیات احاطہ تحریر میں لانا آسان ہوتا ہے۔ جبکہ سوانح نگار حاصل شدہ مواد کے ذریعے تحقیقی صورت حال سے نمٹتا ہے۔اور یہ بھی امکان ہوتا ہے۔ کہ تحقیق کے بعد بھی اصل صورتحال سامنے نہ آئے اگر ایک ہی دور کی آپ بیتیوں، تاریخ کی کتابوں اور سوانح عمریوں کا مطالعہ کیا جائے تو آپ بیتی میں ہی زیادہ مستند حقائق سامنے آتے ہیں۔اس اعتبار سے سوانح سے زیادہ آپ بیتی کو معتبر مانا جاتا ہے۔

پاکستان میں آپ بیتی کی روایت کا جائزہ لینے سے پہلے آپ بیتی کی روایت کا مطالعہ ضروری ہے۔اردو زبان میں آپ بیتی اٹھارویں صدی میں انگریزی ادب سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ اگرچہ قدیم مذہبی کتابوں میں درج مختلف دور کے واقعات و حالات کو آپ بیتی کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن انگریزی ادب مین آپ بیتی کی اصطلاح اٹھارویں صدی میں ہی استعمال ہوئی۔ ریحانہ خانم لکھتی ہیں۔

> ''پہلے پہل خود نوشت اور تاریخ میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ ہیروڈوٹس اور زلوفن کے کارناموں میں تاریخ اور خود نوشت سوانح کا امتزاج ملتا ہے ۔ نفسیاتی اور اعترافی آپ بیتیاں اور رومن عہد میں لکھی جانی شروع ہوئیں ۔سولہویں صدی عیسوی مین اٹلی کی دو خاص کتابیں قابل قدر ہیں ۔ جو سائنٹفک اور فنکارانہ طور پر ذاتی تجزیے کا نمونہ ہیں ایک جیروم کارڈن فنزیشن کی تصنیف اور دوسری تصنیف Benevento Celine کی ہے ۔انگریزی میں شروع شروع میں نظم میں آپ بیتیاں لکھی گئیں ۔ مگر ۱۷۰۰ء سے پہلے بہت کم شائع ہوئیں۔''[15]

عیسائی مذہب میں ''اعترافات'' بھیآپ بیتی کی ابتدائی شکل ہیں ۔ جن کے مطابق گناہ کے بعد اعتراف اگر کوئی کر لے تو وہ گناہوں سے پاک ہو جاتاہے۔خود نوشت سوانح عمری کی تاریخ عیسائی عہد سے شروع ہوتی ہے ۔ مغربی ادب میں لکھی جانے والی آپ بیتیوں میں بے باک انداز نگارش اُن کے ماحول کی وجہسے ہے۔فارسی و عربی میں آپ بیتی کی روایت موجود تھی۔قدیم ہند میں اس کا کوئی باضابطہ رواج نہیں تھا۔ انگریزوں کے ہندوستان آمد کے بعد بہت سی ہندوستانی صنف ادب میں موضوع اورہیت میں تبدیلیاں رونما ہوئیں ۔ بلکہ صوفیاء کرام کے ملفوظات ابتدائی نقوش کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ مسلمحکمرانوں کے ذریعے ہندوستان کے ادب میں آپ بیتی کاآغاز ہوا۔امیر تیمور اور ظہیر الدین بابر نےاپنے حالات تزک کی صورت میں لکھے۔اوراپنے عہد کے حقائق کو قلمبند کیا۔اگرچہ تزکات آپ بیتی کے زمرے میں نہیں آئیں مگران کو آپ بیتی کی ابتدائی شکل کہاجاسکتاہے

اردو ادب میں روزنامچوں ، سفر ناموں ،تذکروں اور تاریخ سے قطع نظر مستقل طور پرآپ بیتی لکھنے کی روایت 1820ءجب پتمبر سنگھ نے خود نوشت یادداشتیں لکھیں ۔ میر تقی میر فارسی میں اپنی خود نوشت ''ذکر میر'' کے عنوان سے اٹھارویں صدی کے آخر میں لکھ چکے تھے ۔میر کی آپ بیتی نےاردوادب پر گہرے اثرات چھوڑے۔اردوادب میں اب تک دستیاب خود نوشتوں میں عبدالغفور نساخ کی ''حیات نساخ '' ہے جو1886ء میں شایع ہوئی۔اوراردوادب کی اولین آپ بیتی قرار پائی۔اس آپ بیتی میں1858ءتک کے حالات درج ہیں ۔اور یہ آپ بیتی نساخ کی زندگی کے نشیب وفراز پر روشنی ڈالتی ہے ۔اس آپ بیتی سے نساخ کے آباؤاجداداور عہد و معاشرت سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہے ۔ مولاناجعفر تھانسیری کی آپ بیتی''''تواریخ عجیب''(کالاپانی) کو بھی اُردو کی پہلی آپ بیتی کہاجاتاہے۔ جبکہ اس میں جزئیات موجودہیں کُلی طور پر یہ آپ بیتی کے فن پر پورا نہیں اترتی۔ 1857ء جنگِ آزادی کے حالات وواقعات پر لکھی جانے والی دوسری اہم آپ بیتی ظہیر دہلوی کی ''داستان غدر'' ہے جو1910ء میں شایع ہوئی۔ ظہیر دہلوی نے اس آپ بیتی میں لال قلعہ اور تہذیب دہلی کی خوبصورت منظر کشی کی ہے۔اس آپ بیتی میں ظہیر دہلوی نے خود اپنے

کے حالات لکھنے کے بجائے دہلی اور جنگ آزادی کے حالات و واقعات کو قلمبند کیا ہے۔اس آپ بیتی میں پہلی بار دلی کی بربادی اور شرفاء کے زوال کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کیا گیا ہے۔ بلکہ مصنف کے سوانحی حالات کا بھی تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

خواجہ حسن نظامی کی خود نوشت ''آپ بیتی'' کے عنوان سے 1919ء میں لکھی گئی۔ یہ آپ بیتی دراصل مصنف نے اپنے مریدوں اور پیر بھائیوں کی اصلاح کے لیے لکھی تھی۔ خواجہ حسن نظامی نے اس عرفان ہستی کا''بہی کھاتا'' قرار دیا ہے۔ یہ آپ بیتی مبالغانہ اور ناصحانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔1919ء میں ہی ابوالکلام آزاد کی آپ بیتی ''تذکرہ'' لکھی گئی۔اس آپ بیتی میں ابوالکلام نے اپنی ذات سے زیادہ اپنے آباؤ اجداد کے حالات واقعات کو قلمبند کیا۔

منشی محمد عنایت حسین کی آپ بیتی'' سر گزشت ایام، مولانا حسرت موہانی کی''قید فرنگ'' ہے۔ انگریز کی قید کے حالات اس آپ بیتی میں تحریر کیے گئے۔اردو کی سب سے پہلی مکمل آپ بیتی سر رضا علی کی'' اعمال نامہ'' کو کہا جاتا ہے۔ یہ 1943ء میں سامنے آئی۔ جس میں مصنف کا سیاسی شعور اور ادبی ذوق جابجا نظر آتا ہے۔ انگریزی ادب کا شعور اور گہری واقفیت کی وجہ سے آپ بیتی کی تمام فنی تکنیک کو انہوں نے اس بات بیتی میں استعمال کیا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے سیاسی منظر نامے کو بھی اس آپ بیتی میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔1943ء میں حکیم احمد شجاع کی آپ بیتی ''خوں بہا'' بھی منظر عام پر آئی۔اس آپ بیتی کو حکیم احمد شجاع کے تاثرات کا مجموعہ تو کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے زمانہ بچپن سے آخر تک تمام حالات تحریر کر دیے لیکن آپ بیتی کے فنی لوازم پر یہ آپ بیتی پوری نہیں اترتی۔ شوکت تھانوی کی آپ بیتی'' مابدولت''1945ء میں شائع ہوئی۔اسلوب کی چاشنی اس آپ بیتی میں نمایاں ہے مگر واقعات کے حوالے سے نامکمل ہے۔ تقسیم پاک و ہند نے برصغیر کے رہنے والے تمام باشندوں پر مختلف حوالوں سے گہرے اثرات ڈالے۔ اس ہجرت کے تجربے نے ادب کی تقریباً تمام اصناف کو متاثر کیا۔ اور عظیم ادبی تخلیقات سامنے آسکیں۔آپ بیتی کی صنف میں بھی یہی رویہ دیکھا جاتا ہے۔ تقسیم کے بعد دونوں اطراف میں اس عہد کے حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کو آپ بیتی کے تناظر میں پیش کیا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد پہلی قابل ذکر آپ بیتی 1955ء میں عبدالمجید سالک کی'' سر گزشت'' کے نام سے شائع ہوئی۔اس آپ بیتی میں اپنے عہد کی سیاست، ادب، صحافت و معاشرت کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ مصنف کے سوانحی حالات کو بھی بہت خوبصورتی کے ساتھ تحریر کہا گیا ہے۔اس آپ بیتی میں مصنف نے اپنے ہم عصر ادیبوں کے خاکے بھی شامل کیے ہیں۔ سر گزشت میں عبدالمجید سالک نے اپنے ایام اسیری کو اس طرح بیان کیا ہے کہ

"کبھی کبھی قوالی بھی ہوتی تھی جس میں اختر علی خان گھڑا بجاتے صوفی اقبال تالی بجا کر تان دیتے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری غزل گاتے۔ مولانا احمد سعید شیخ مجلس بن کر بیٹھتے اور مولانا داؤد غزنوی اور عبدالعزیز انصاری حال کھیلتے۔ غرض ہم لوگوں کے مشاغل، صوم و صلوۃ، تلاوت قرآنی تعلیم و تعلم، اور تفریح و تفنن کے تمام پہلوؤں سے مکمل تھے۔ لیکن بعض اوقات قوال میں اتنا غلغلہ اور ولولہ ہوتا۔ کہ دوسرے دن ہمارے ہمسائے یعنی پھانسی کی کوٹھریوں والے قیدی سپرٹنڈنٹ جیل سے شکایت کرتے کہ حضور ہمیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیجیئے یہ مولبی لوگ ہمیں ساری رات سونے نہیں دیتے۔"[16]

مولانا سالک نے "سر گزشت" کو ابواب میں تقسیم نہیں کیا۔ مگر مختلف موضوعات کو عنوانات کے تحت لکھا ہے۔ لہذا قاری پڑھنے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ سادگی، بے تکلفی، شگفتگی سالک کی تحریری کی خصوصیات ہیں۔ سر گزشت صرف ایک آپ بیتی ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے ادب و سیاست معاشرت و تہذیب خصوصاً پنجاب کی مجلسی، صحافتی، علمی و ادبی رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ سر گزشت کو بیسویں صدی کے آغاز سے تقسیم ہند تک کے حالات و واقعات و تاریخ کا مرقع کہا جا سکتا ہے۔ 1961ء میں ممتاز مفتی کی آپ بیتی "علی پور کا ایلی شائع ہوئی۔ بیشتر ناقدین اس کتاب کو ناول قرار دیتے ہیں۔ لیکن افسانوی رنگ میں لکھی گئی آپ بیتی کے متعلق خود ممتاز مفتی لکھتے ہیں۔

"علی پوری کا ایلی" میں نے اردو ادب کے خلاف بطور احتجاج لکھی اردو ادب کئی ایک پہلوؤں میں بڑا اُجلا تھا۔ بڑا مہذب تھا بڑا اخلاق زدہ تھا۔ اس حد تک کہ اخلاق پسندی سے بیگانہ ہو جاتا تھا۔ اردو ادب کی خود نوشتیں بڑی دھلی دھلائی کلف زدہ اور استری کی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ایک سچی خود نوشت پیش کروں۔، اخلاق اور تہذیب سے بے نیاز[17]"

اس آپ بیتی میں ممتاز مفتی نے کرداروں کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ 238 کردار قارئین کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ ایلی کے کردار میں مفتی نے خود کو پیش کیا ہے۔ ایلی نے شخصیت، نفسیاتی پس منظر، ماحول کو بڑی مہارت سے برتا ہے۔ ایلی کی ذات ہی ارتقائی مراحل کا احاطہ کرتی ہے۔ اور ایلی کی خارجی و باطنی دنیا کی عکاسی کرتی ہے پلاٹ میں نفسیاتی اور حیاتیاتی عوامل کار فرما ہیں۔ جبکہ فنی لحاظ سے تحریر میں تجسس کی فضا قائم کی گئی ہے۔ 1966ء میں کرنل محمد خان کی آپ بیتی جنگ آمد شائع ہوئی مزاحیہ اسلوب میں تحریر کی گئی یہ آپ بیتی 1940 سے 1947 تک کے فوجی زندگی کے احوال کی تصویر کشی کرتی ہے۔ جنگ عظیم کے ہولناک واقعات، فوجیوں کی تربیت کے سخت مراحل کو مصنف نے اپنے شوخ قلم سے دلچسپ بنا دیا ہے۔

معمولی سے معمولی واقعات کو اتنی خوبی سے ادا کیا گیا ہے کہ کبھی زیر لب مسکراہٹ اور کبھی بے ساختہ قہقہ نکلتا ہے۔ اس سر گزشت میں لکھاری کے خاندانی پس منظر، بچپن تعلیم اور ازدواجی حوالے سے کوئی معلومات نہیں ملتی تو اس کو مکمل آپ بیتی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

محمد خالد اختر لکھتے ہیں:

> ''اس فوجی کے طرز بیان میں ایک ایسی قدرتی کیفیت ہے جس پر ہمارے بہترین لکھنے والے رشک کر سکتے ہیں۔ سوانح اور سفری تاثرات اور کھلنڈرے پن کا اتنا کھلتا ہوا امتزاج کہ اسے شروع کر کے بیچ میں چھوڑنا آسان نہیں''۔[18]

اس کتاب میں کہیں واقعاتی مزاح، کہین الفاظ کا ردوبدل، کہیں تحریف غرضیکہ طنز و مزاح کی بہت سی تکنیک استعمال کی گئیں ہیں۔ کسی بھی جگہ عامیانہ یا پھکڑ پن محسوس نہیں ہوتا بلکہ شگفتگی نظر آتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات میں ربط و تسلسل قائم رکھا گیا ہے بے ساختہ انداز بیان آپ بیتی کے فنی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ 1966ء میں ہی زوالفقار علی تجاری کی آپ بیتی '' سر گزشت '' شائع ہوئی زوالفقار علی بخاری زید۔ اے بخاری کے نام سے مشہور ہوے۔ یہ پطرس بخاری کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ بیتی سے زیادہ اس کتاب میں جگ بیتی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ زیڈ اے بخاری اردو، انگریزی، فارسی، عربی اور پنجابی کے علاوہ پشتو، زبان بھی جانتے تھے۔ اور اپنی وجاہت اور شوخی کے باعث پر تقریب میں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز رہتے تھے۔ ان کی آپ بیتی کے مطالعے سے ان کی شخصیت کے متنوع پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ سر گزشت اسلوب کے اعتبار سے مکمل لیکن سوانح کے اعتبار سے نامکمل خود نوشت ہے۔ اپنے عہد کے ادبی ماحول اور ریڈیو سے وابستہ بڑی شخصیات کی تصویر کشی اس آپ بیتی میں ملتی ہے۔

اس حوالے سے زیڈ اے بخاری خود لکھتے ہیں۔

> ''زندگی عبارت ہے ان تمام تجربات سے جو زندہ رہنے والوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ پیش آچکے ہیں، اب یہ کون بتائے گا۔ کہ ان تجربات میں کون سا اہم ہے اور کون سا غیر اہم۔ زندگی کی ساخت میں سب تجربات یکساں اہم ہوتے ہیں۔ اگر میرا یہ دعویٰ ہر چند کہ بے دلیل ہے، درست تسلیم کیا جائے تو مجھے اپنے تجربات قلمبند کرنے میں سہولت ہو گئی۔ یعنی مجھ ہر یہ قید نہیں رہے گی کہ تجربات کو اہمیت وار یا تاریخ وار بیان کروں۔ مین نہ کوئی اہم تاریخی واقعہ ہوں اور نہ تاریخ دانی کا مدعی تو پھر یہ اہتمام کیا ضرور۔''[19]

1970ء میں جوش ملیح آبادی نے '' یادوں کی برات '' کے نام سے آپ بیتی لکھ کر اردو ادب میں تہلکہ مچا دیا۔ ہر حصے میں ذیلی عنوانات کے تحت مصنف کی داستان حیات موجود ہے۔ پہلے حصے میں بچپن

کا تذکرہ اور ذاتی حالات دوسرے میں آبا و اجداد کا تعارف اور اپنے قریبی و عزیزی رشتہ داروں کے احوال قلمبند کیے ہیں۔ تیسرے حصے میں احباب کی زندگی کے احوال اور ان سے ملاقاتوں کے تذکرہ ملتے ہیں۔ چوتھے اور پانچویں حصے میں جوش چند ہستیوں اور اپنے معاشقوں کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ جوش نے 4 بنیادی میلانات بیان کئے ہیں۔ جس میں علم طبعی، انسان دوستی، شعر گوئی اور عشق بازی شامل ہیں۔ یہ آپ بیتی اپنے بے باکانہ اسلوب کی وجہ سے نہ صرف توجہ کا مرکز بنی بلکہ اس کے بعد اور بہت سے ادیب و شاعر آپ بیتی لکھنے کی طرف مائل ہوئے۔ یادوں کی بارات کے پانچویں حصے جس میں معاشقوں کا تذکرہ موجود ہے جسے ناقدین نے ہدف تنقید بنایا۔

یادوں کی برات میں اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ:

> ''اب رہی یہ بات کہ میں نے قیس و فرہاد کی مانند ایک لیلی اور ایک شیریں سے عشق کرنے کے بدلے اٹھارہ معشوقوں سے عشق کیوں کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عمر بھی کے واسطے کسی ایک کو اپنا کر رکھنا اور کسی ایک ہو کر رہ جانا میرے بس کا روگ نہ تھا۔[20]''

اور پھر مزید لکھتے ہیں۔

> ''میں نے بھنورے کی زندگی کو اپنایا ہر گل نودمیدہ پر منڈلایا، اس کا گُن گایا۔ اس کی خوشبو پی، اس کا رنگ چکھا۔ اس پر کالی گھٹاؤں کے سائے میں گیا، گونجا اور پھر اڑ گیا۔''[21]

جوش نے اپنے عشقیہ واقعات کو مبالغہ آرائی کے ساتھ افسانوی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جوش کی یہ آپ بیتی اردو ادب کے ناقدین کی خاص توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ مگر اسلوب کے لحاظ سے یادوں کی برات کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس کتاب پر تنقید کرنے والے بھی اسلوب کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''شاعری کے سلسلے میں اس بات کو سبھی مانتے ہیں کہ بے شمار الفاظ گویا ہاتھ باندھے اُن کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ لیکن حقیقتاً اُس کا کمال ان کی نثری تصنیف میں نظر آتا ہے۔ ایک مفہوم کو ادا کرنے اور اس کی اطراف وجہات کو مرتب اور مکمل کرنے کے لیے اور اس سے متعلق تفصیلات کو نمایاں کرنے کے لیے جتنے اور جیسے لفظ ان کا قلم لکھتا چلا جاتا ہے اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جب میں نے پہلی بار اس کتاب کو پڑھا تو بہت سے مقامات پر یہ محسوس

ہوا جیسے پہلے، پہل یہ بات معلوم ہو رہی ہے۔ کہ ہماری زبان میں الفاظ کا اس
قدر ذخیرہ ہے۔"[22]

اس آپ بیتی میں اودھ کے طبقہ اشرافیہ کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں اور ہندوستانی تہذیب، رسم و رواج، پکوان، لباس، کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یادوں کی برات سوانحی ادب میں زندہ رہنے والی کتاب ہے۔1972ء میں شورش کاشمیری کی آپ بیتی "بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل" منظر عام پر آئی۔ اس سے پہلے ان کی تین تصانیف میں بھی خود نوشت کی جلکیاں ملتی ہیں جن میں "پس دیوار زنداں"، "قوت سے واپسی" اور "تمغہ خدمت" شامل ہیں۔ مگر "بوئے گل نالۂ دل، دودِ چراغ محفل" آغا شورش کاشمیری کی مکمل آپ بیتی ہے۔ کشمیری خاندانی پس منظر، ابتدائی حالات اور دیگر عزیز و اقارب کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ پہلے چار ابواب کے بعد شورش نے عملی جدوجہد کی تفصیل بیان کی ہے۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں جس کے باعث ایک خاص ولولہ و جذبہ پروان چڑھتا رہا۔ یہ آپ بیتی شورش کی پرآشوب سیاسی زندگی کی ترجمان ہے۔ کہیں کہیں سیاسی معاملات کو اشاروں کنایوں کے ذریعے اس آپ بیتی میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر ذاتی زندگی کو نہایت سادہ انداز میں پیش کیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ کی بھرپور تصویر کشی ملتی ہے۔ ان کے عہد کے سیاسی نشیب و فراز عوام اور کارکنوں کے حالات زار رہنماؤں کا کردار اتنے گہرے مشاہدے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فکری اور فنی طور پر ایک اہم سرگزشت ہے۔ اس آپ بیتی کو بیسویں صدی کے پرآشوب سیاسی ماحول کی مستند تاریخی دستاویز بھی کہا جا سکتا ہے۔1973ء میں احسان دانش کی آپ بیتی جہان دانش اردو و پاکستانی ادب میں شاندار اضافہ ہے، "جہانِ دانش" کو آدم جی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ احسان دانش نے اس آپ بیتی میں اپنے حالات زندگی، مفلسی، مظلومیت، ناداری، بے بسی کے تمام قصے سچائی کے ساتھ بیان کیے ہیں آپ بیتی میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"دوسروں کے متعلق مجھے معلوم نہیں۔ اپنے متعلق کو کچھ ایسا محسوس ہوتا
ہے۔ کہ عالم ارواح میں میری روح سے بھی حضرت آدمؑ کی طرح کوئی لغزش
سرزد ہو گئی ہو گی جس کی سزا میں اس زندگی کے مظالم سہہ رہا ہوں۔ اور نہ
جانے مرتے دم تک یہ کفارہ ادا ہوتا بھی ہے یا نہیں۔"[23]

جہاں دانش میں اکثر مقامات پر معاشرتی و طبقاتی فرق کو ہدف تنقید بنایا ہے حالات کی ستم ظریفی کے باوجود احسان دانش نے غیرت سے خودداری کو نیلام نہ ہونے دیا۔ ڈاکٹر پروفیسر پروازی کہتے ہیں۔

"خودداری جیسے اوصاف کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ بلکہ مضبوطی سے ان
اوصاف کا دامن پکڑے رکھا۔"[24]

احسان دانش اپنے حوصلے بلند ہونے کی وجہ سے ذاتی زندگی میں غموں کا رونا نہیں روتے بلکہ سختیوں سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے یہ ہنر سکھاتے ہیں۔ سیاسی بصیرت کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔

''مزدور اور کسان سے ناانصافی ہو رہی ہے اور کوئی مذہب یا قانون اس بے دردی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس پر طرہ یہ ہمارے لیڈر، سیاسی پارٹیاں بنا کر حکومت کو بتا رہے ہیں کہ صرف یہی لوگ حکومت کے لیے خطرناک اور بغاوت کے دلدادہ ہیں چنانچہ قید خانوں میں جاتا ہے تو پسماندہ طبقہ اور پھانسیوں پر چڑھتا ہے تو غریب طبقہ۔''[25]

اس آپ بیتی میں احسان دانش نے ادبی ماحول کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اسلوب زبان و بیان نہایت عمدہ ہے چونکہ احسان دانش نثر کے فنی و لسانی تقاضوں سے باخبر تھے۔ اس لیے خود نوشت علمیت ماحول اور شخصیت کی عکاسی ہے۔ آپ بیتی کے اختتام پر قائداعظم اور لیاقت علیخان کے احوال لکھنے کے بعد ''اطلاعاً عرض ہے'' کے عنوان سے جہان دانش کی دوسری جلد کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

''میں اپنی اس کتاب ''جہان دانش'' کی پہلی جلد یہیں تک رکھتا ہوں دوسری جلد میں حالات و واقعات کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کروں گا جن سے میں کبھی کسی رخ سے متاثر ہوں۔''[26]

1976ء میں مشتاق احمد یوسفی کی مزاحیہ اسلوب میں لکھی جانے والی آپ بیتی ''زر گزشت'' منظر عام پر آئی۔ تزک یوسفی کے عنوان سے اس کتاب کا مقدمہ لکھا گیا۔ اور اس کے ابواب کے عنوانات بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ مثلاً سبق تھا یہ پہلا کتاب رباکا، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر، کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا، علم دریاؤ، پروٹوکول وغیرہ۔

پوری کتاب پر مزح اور طنزیہ جملوں سے بھرپور ہے۔ یہی مصنف کا ہنر اور اس کتاب کی خوبصورتی ہے۔ اس کتاب میں صرف دوسرے کرداروں کا ہی نہیں بلکہ مصنف کی اپنی ذات پر بھی مزاحیہ اظہار موجود ہے۔ اس آپ بیتی میں قاری کی دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ 1977ء میں رحیم گل کی آپ بیتی ''داستان چھوڑ آئے'' علی برادرز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ پہلی اشاعت میں صفحات کی تعداد 374 اور دوسرے ایڈیشن رابعہ بک ہاوس لاہور کے زیر اہتمام اشاعت میں صفحات کی تعداد 392 تھی۔ آپ بیتی کو مختلف عنوانات کے تحت ابواب میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ ہر باب کا آغاز قاری کو خود بخود احساس دلا دیتا ہے۔ اور اس آپ بیتی میں مصنف نے اپنے عہد، تاریخ، معاشرت کی تصویر پر کشش نہیں کی بلکہ یہ آپ بیتی مصنف کی ذات ے گرد گھومتی ہے۔ رحیم گل کی آپ بیتی کا زیادہ حصہ اُن کی عشق کی داستان کے گرد گھومتا ہے۔ اس حوالے سے بہت سی لڑکیوں کے نام آپ بیتی میں آئے ہیں۔ اس قدر رنگین مزاج ہونے کے باوجود مصنف کی شادی اس لڑکی سے ہوئی جس کو وہ قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ ازداجی زندگی کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بیوی کو دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی تھی۔ میں نے اس بدقسمت عورت کو کبھی
بھی پیار کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اس سے ہمدردی کے باوجود مجھے اس کی ہر
حرکت کھلتی تھی۔اس کہ ہر بات سے چڑتا تھا۔ وہ کوئی قصور نہ بھی کرتی تو بھی
قصور وار تھی۔۔۔۔ میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ اس عورت سے شادی
تھی۔''[27]

بلکہ دوسری شادی کا تذکرہ تفصیلاً کرتے ہیں پسند کی شادی ہونے کے باعث دوسری بیوی سے ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ رحیم گل نے نہایت بے باکی سے خفیہ حالات کو بھی قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے عمدہ تصنیف ہے۔ رحیم گل محبت کو ایک نیکی قرار دیتے ہیں۔ جملوں میں قافیہ پیمائی نثر کو شعری آہنگ دیتی ہے۔ اردو ادب کے تمام اہل قلم رحیم گل کی ادبی خدمات کو سراہتے ہیں۔ 1981ء میں مرزا ادیب کی آپ بیتی ''مٹی کا دیا'' شائع ہوئی۔ یہ آپ بیتی لسانی اور فنی خصوصیات کے باعث خودنوشت میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ مرزا ادیب نے اپنے حالات و واقعات کی منظر کشی اپنی خودنوشت میں کی ہے۔ مرزا ادیب کی آپس بیتی نصف صدی کے ادب کی مختصر تاریخ بھی ہے۔

1982 میں غلام جیلانی برق کی خودنوشت میری داستانِ حیات شائع ہوئی۔ اس میں مصنف نے اپنی شخصیت کے علاوہ مشاہیر کا تذکرہ اور تعلیمی سلسلے میں ہونے والی مصروفیات کو پیش کیا ہے۔ اس کو مکمل آپ بیتی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مصنف نے خود کو عالم فاضل شخصیت کے طور پر پیش کیا۔ لیکن بشری کمزوریاں کہیں نہیں دکھائیں۔ جس سے مصنف کی شخصیت فرشتہ صفت دکھائی دیتی ہے۔ مگر اردو ادب میں یہ آپ بیتی اپنے سادہ اسلوب کی وجہ سے قارئین کی توجہ کا مرکز بنی رہی اور کامیاب ہوئی۔

مصنف خود لکھتے ہیں۔

'' یہ داستان صرف میری داستان نہیں ہے بلکہ ان بیبیوں، علماء حکما اور
مفکرین کی داستان ہے جنہوں نے قرنِ رواں (1911ء) کو علم، دانش فکر،
تہذیب کا درس دے کر اسے مزید چمک بخشی۔''[28]

1984ء میں اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی ''گرد راہ'' منظر عام پر اائی۔ یہ پہلے پہلے قسط وار ''افکار'' کراچی میں چھپتی رہی۔ اختر حسین رائے پوری نے اس آپ بیتی کو اپنی بیوی حمیدہ اختر کے نام

منسوب کیا ہے۔ کتاب کے عالمانہ آغاز سے ہی قاری مصنف کی علمی قابلیت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔آغاز میں اختر حسین رائے پوری لکھتے ہیں۔

> ''جب گوتم بدھ کا آخری وقت آیا تو اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا سوال باقی رہ گیا ہے جس کا جواب میں نے نہ دیا ہو۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ نے سب کچھ بتایا۔ لیکن یہ معمہ حل نہ کیا کہ آفرینش سے پہلے کیا تھا۔اور موت کے بعد کیا ہو گا۔ گوتم بدھ نے کہا اس طلسم کی کلید انسان کے پاس نہیں۔اس کا مقصد فقط یہ ہے کہ حیات متعار کے مسائل کو سمجھے اور حل کرے یعنی بقول کارل مارکس ، فلسفی زندگی کو سمجھنے میں بہت سر کھپا چکے اصل مسئلہ اسے بدلنے کا ہے[29]

اس آپ بیتی میں اختر رائے پوری کی عمر کے تمام حصوں کا احاطہ۔ہندوستانی تہذیب،رسم ورواج، انقلابات زمانہ،علامی صورتحال اہم شخصیات کے مرقع اس خوبصورتی سے پیش کیے ہیں۔کہ منظر نظروں کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔1985ء میں عشرت رحمانی کی آپ بیتی ''عشرت فانی '' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی اسلوب کے اعتبار سے یہ اردو ادب کی عمدہ تصانیف میں شمار ہوتی ہے بیانیہ انداز میں صحافتی اور ادبی زندگی کے تمام رنگ اس آپ بیتی میں بکھیر دیے ہیں۔اس آپ بیتی مصنف کے دور کی ادبی وثقافتی تہذیب کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔1986ء میں عبدالسلام خورشید کی آپ بیتی '' رو میں ہے رخشِ عمر ''آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔عبدالسلام خورشید،مولانا عبدالمجید سالک کے بیٹے ہیں۔ان کی آپ بیتی کا اسلوب بیانیہ ہے سادگی وسلاست کی وجہ سے قاری کو کسی قسم کا اُلجھاؤ محسوس نہیں ہوتا۔مصنف نے بچپن، صحافتی،ادبی اور تعلیمی مراحل کا ذکر تفصیلی کیا ہے۔آپ بیتی کے دو ابواب تحریک پاکستان پر مشتمل ہیں ۔ترقی پسند تحریک سے وابستگی کا تذکرہ بھی اس آپ بیتی میں ملتا ہے۔وہ اپنے عہد کی ادبی تحریکوں کا جائزہ بھی اپنی آپ بیتی میں لیتے ہیں۔اردو کے سوانحی ادب میں یہ آپ بیتی ایک یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔1986ء میں ایک اور اہم آپ بیتی ''شام کی منڈیر سے ''از ڈاکٹر وزیر آغا مکتبہ فکر وخیال کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔اس میں 1922 سے لیکر 1980ء تک کے احوال کا تذکرہ ملتا ہے اس خودنوشت میں غیر ضرور لفاظی اور بے جا طوالت سے اجتناب برتا گیا ہے۔یہ آپ بیتی در حقیقت ان کے فکری ارتقاء کی داستان ہے۔

1987ء میں شہرت بخاری کی آپ بیتی کھوئے ہوؤں کی جستجو '' شائع ہوئی۔دردناک انداز میں تصنیف کردہ خودنوشت فرد کے سماجی المیے کے موضوع کو زیر بحث لاتی ہے۔مصنف کے ذاتی حالات کے ساتھ ساتھ اس عہد کی سیاسی تحریکیں اور سماجی عناصر بھی اس آپ بیتی میں نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں ۔1987 میں ہی قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی شہاب نامہ منظر عام پر آئی۔۔اس کے ابتدائی حصے سیارہ، ڈائجسٹ،اردو ڈائجسٹ، نیادور معاصر ،دستاویز میں شائع ہو چکے تھے۔اس آپ بیتی میں مصنف نے افسانوی

انداز میں اپنی زندگی کے حالات تحریر کیے ہیں۔ اردو ادب کی مقبول ترین آپ بیتیوں میں "شہاب نامہ" کا شمار ہوتا ہے۔ شہاب نامہ میں حساس نوعیت کے تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ تصوف پر مبنی روحانی موضوعات بھی زیر بحث رہے۔ بیک وقت یہ آپ بیتی کئی اصناف کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ 1991ء میں یونس احمر کی آپ بیتی "ماضی کے تعاقب میں"، قارئین کی توجہ کا مرکز رہی۔ اس آپ بیتی میں واقعات کو ادیبانہ انداز میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

1992ء میں حمیدہ اختر کی آپ بیتی "ہم سفر" اردو ادب کے نسائی سوانحی ادب میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ حمیدہ اختر، اختر حسین رائے پوری کی اہلیہ ہیں۔ اس آپ بیتی میں ٹکسالی زبان کو خاص انداز میں استعمال کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے سے خوبصورت انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔ زندگی کے طویل سفر کو نہایت خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ کسی جگہ آپ بیتی دلچسپ ہونے کا تاثر پیش نہیں کرتی۔ 1994ء میں کشور ناہید کی آپ بیتی "بری عورت کی کتھا" منظر عام پر آئی۔ تو ادبی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا اور ناقدین نے اس آپ بیتی کو "یادوں کی برات" کا نسوانی ایڈیشن قرار دیا۔ مصنفہ نے نہایت بے باک انداز میں اپنے حالات کو قاری کے سامنے پیش کیا اور خود کلامی کی تکنیک کا سہارا لیا۔ اس میں اخلاقیات کی حدود کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا۔

1995ء میں ادا جعفری کی آپ بیتی "جو رہی سو بے خبری رہی" شائع ہوئی۔ مصنفہ نے بچپن کے ایام سے لیکر اب تک کے حالات کو اتنے سلیقے سے بیان کیا کہ آئندہ کی خود نوشتوں کے لیے اس کو مینارۂ نور قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے دور کی ادبی زندگی کی تصویر کشی کی ہے۔ اس آپ بیتی سے مصنفہ کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے مشاہدات کی گہرائی کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ 1995 میں سحاب قزلباش کی خود نوشت "میرا کوئی ماضی نہیں" ایک بھرپور قسم کی آپ بیتی لگتی ہے۔ مگر یہ فن خاکہ نگاری کی عمدہ کتاب ہے۔ خواتین کی آپ بیتیاں زیادہ تر بیسویں صدی کے آخری عشرہ میں ہی منظر عام پر آئیں۔ 1999ء میں حمایت علی شاعر کی منظوم آپ بیتی آئینہ در آئینہ شائع ہوئی اور اسے پہلے ڈاکٹر وزیر آغا کی منظوم آپ بیتی "آدھی صدی کے بعد" 1981ء میں شائع ہو چکی تھی۔ حمایت علی شاعر کی آپ بیتی "آئینہ در آئینہ ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

1999ء میں انتظار حسین کی آپ بیتی "چراغوں کا دھواں" سنگ میل پبلیکشنز لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ آپ بیتی مصنف کی نصف دی کی یادوں کی اس آپ بیتی میں پاکستان بننے سے لیکر موجودہ عہد تک تہذیب و معاشرت لاہور شہر کی ثقافت کو خوبصورت انداز میں دکھایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی ابتدائی اور ازدواجی زندگی سے متعلق واضح معلومات نہیں فراہم کی۔ مگر ہجرت کا تجربہ۔ اپنی شناخت سے محرومی فرد کی تنہائی کو سمجھنے کی کوشش جیسے فلسفیانہ رنگ اُن کی تحریر میں نمایاں ہیں۔ پاکستان ادب اکیسویں صدی میں

پوری آب وتاب کے ساتھ لکھا جارہا ہے اس میں ادیب اور غیر ادیب سیاسی شخصیات نے بھی اکیسویں صدی میں آپ بیتی لکھی۔

2001ء میں ڈاکٹر رشید امجد کی آپ بیتی ''تمنا بے تاب ''حرف اکادمی راولپنڈی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔اس آپ بیتی میں مصنف نے ذاتی سوانحی حالات کے ساتھ ساتھ پاکستان معاشرہ کے مسائل کی نشاندہی بھی کی ہے۔ تمنا بے تاب نام کے زیر اثر ڈاکٹر رشید امجد قلبی رجحان کے باعث تمام عمر حاصل اور لاحاصل کے درمیان محو سفر رہے یہ آپ بیتی نہ صرف اکیسویں صدی کے اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے بلکہ اصلاحِ معاشرہ کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔2002ء میں مہدی علی صدیقی کی آپ بیتی ''بلاکم و کاست ''کو جامعہ کراچی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔آپ بیتی کو مصنف نے اپنی مرحومہ بیوی عزی بانو کے نام منسوب کیا ہے۔انہوں نے اپنے حالات وواقعات کو اس طرح تحریر کیا کہ قاری کے لیے علم وعبرت ہیں اس آپ بیتی میں دور حاضر کے سیاسی،ادبی،معاشرتی،رجحانات کا گہرے اور فکر انگیز انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔واقعات کے اعتبار سے اس آپ بیتی کے دو جزو ہیں۔پہلا جزو ہجرت سے پہلے کی داستان پر مشتمل ہے اور دوسرا جزو ہجرت کے بعد کراچی میں مقیم ایام سے شروع ہوتا ہے۔اور اسکے بعد کے ابواب میں پاکستان کے مختلف ادوار میں عروج وزوال اور سیاسی صورتحال کو پیش کیا گیا ہے۔مشرقی پاکستان کے سانحہ کی تفصیلات بھی اس آپ بیتی میں شامل ہیں۔2002ء میں ڈاکٹر جاوید اقبال کی آپ بیتی ''اپنا گریبان چاک ''سنگ میل پبلیکشنز لاہور سے شائع ہوئی۔یہ آپ بیتی انسانی رویوں اور تہذیب و معاشرت کے بننے بگڑنے کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ آپ بیتی عہد حاضر کے سوانحی ادب میں اس لیے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ بڑے باپ کے بیٹے کی داستان حیات ہے۔2003ء میں احمد بشیر کی آپ بیتی ''دل بھٹکے گا ''فیروز سنز لاہور سے شائع ہوئی۔اس ناول نما آپ بیتی میں چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔مصنف نے اپنا فرضی نام جمال رکھا ہوا ہے۔اور اپنی ذات کے نہاں خانوں سے بے باکانہ انداز میں پردہ ہٹاتا ہے۔سوانح حالات کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی سیاسی،صحافتی،اور ادبی زندگی کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔احمد بشیر کی آپ بیتی ''دل بھٹکے گا ''کو اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے باوجود عمدہ سوانحی ناول کہا جاسکتا ہے۔2005ء میں ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی ''نشان جگرِ سوختہ ''کو سنگ میل پبلیکشنز نے لاہور سے شائع کیا''سرِ بازار رقصم ''کے عنوان سے آپ بیتی کے دیباچے کا آغا ہوتا ہے۔مصنف نے اس آپ بیتی میں معروف افسانہ نگار و قار بن الٰہی کی آپ بیتی ''ماں میں تھک گیا ہوں ''نیشنل بک فاؤنڈیشن سے شائع ہوئی۔یہ آپ بیتی فرد کے خالص اور سچے جذبات کی پیش رو ہے۔اس میں سیاسی،تہذیبی،قومی زندگی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔

اس کے علاوہ پاکستانی ادب میں غیر ادب شخصیات نے بھی آپ بیتی لکھ کر پاکستانی سوانحی ادب میں اضافہ کیا ان میں اکیسویں صدی میں جاوید ہاشمی کی سیاسی خود نوشت ''ہاں میں باغی ہوں ''2005ء میں

ساگر پبلیشرز لاہور سے شائع ہوئی۔اس کتاب سے جاوید ہاشمی کی سیاسی جدوجہد کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے ۔جاوید ہاشمی کی ایام اسیری میں لکھی گئی دوری کتاب ''تختہ دار کے سائے تلے ہے''ان دونوں کتابوں میں جیل کے معمولات کے حوالے سے اپنے گہرے مشاہدات کو پیش کیا ہے۔2006ء میں یوسف رضا گیلانی کی خود نوشت ''چاہِ یوسف سے صدا'' نگارشات پبلشرز لاہور نے شائع کی۔اس آپ بیتی کو عوام وخواص میں اتنی مقبولیت ملی کہ ایک ہی ماہ بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔آپ بیتی میں یوسف رضا گیلانی نے اپنی سیاسی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان کے سیاسی حالات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

مجموعی طور پر پاکستان بننے کے بعد سے اب تک آپ بیتی کی صنف پر خاص توجہ رہی کیونکہ آپ بیتی ایک معتبر صنف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تاریخ کو بھی محفوظ رکھنے کا مستند ذریعہ ہے۔اور یہ صنف ہنوز ارتقاء کے مراحل سے گزر رہی ہے۔کیونکہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے۔ادباء، شعراء، ناقدین، علماء سیاستدان، مورخین نے اپنے اپنے انداز میں اپنے افکار کو قارئین تک پہنچایا ہے۔کیونکہ آپ بیتی کا فن متنوع اور رنگارنگی کا حامل ہے۔

حوالہ جات

1. آکسفورڈ ڈکشنری، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، والیم ا، 1970ص870
2. احتشام حسین، سید، تنقیدی جائزے، الٰہ باد پبلشنگ ہاؤس، 1951ء ص260
3. عبدالقیوم، ڈاکٹر، سوانح نگاری کیا ہے؟، مشمولہ: اردو ادب کی فنی تاریخ، الوقار پبلیکشنز لاہور 2003ء ص17
4. انصاری، یوسف جمال، آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں، مشمولہ: نقوش آپ بیتی نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور 1964ء ص78
5. Oxford Advanced Learner's Dictionary of current English, oxford university press, 1998,

Page # 68

6. Encyclopedia Americana essay on biography and auto biography Grolier Incorporated.

Vol, 2 Page # 803

7. وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اردو خود نوشت، فن و تجزیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی 1989ء ص 41
8. رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، 1983 ص 162
9. سرور، آل احمد، خواب باقی ہیں، فکشن ہاؤس لاہور 1994ء ص* 8
10. عبداللہ، سید، ڈاکٹر، اردو میں آپ بیتی مشمولہ: اردو ادب کی فنی تاریخ، الوقار پبلیکشنز لاہور: 2003ء ص 351
11. شاہ علی، سید، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری، گلڈ پبلشنگ ہاؤس، کراچی 1961ء ص 70، 71
12. سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، 2005ء ص* 10
13. انصاری، یوسف جمال "آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں، مشمولہ: نقوش آپ بیتی نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور 1964، ص 80
14. عبداللہ، سید، ڈاکٹر، اردو میں آپ بیتی، مشمولہ: اردو نثر کا فنی ارتقاء مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری الاعجاز پبلیکشنز، لاہور: 2007 ص 258
15. ریحانہ خانم، آپ بیتی کیا ہے؟ مشمولہ نقوش آپ بیتی نمبر، ادارہ فروغ، اردو، لاہور، 1964ء ص 85
16. عبدالمجید سالک، سر گزشت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور 1993ء ص 153
17. ممتاز مفتی، علی پور کا ایلی، گورا پبلشرز، لاہور: 1995 ص 17
18. محمد خالد اختر، بجنگ آمد مشمولہ: سرماہی، آج، کراچی، شمارہ نمبر 52، ضروری 2005 ص 194
19. بخاری، ذوالفقار علی، سر گزشت، غالب پبلیکشنز لاہور، 1995 ص 17
20. جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، مکتبہ شعر وادب لاہور، 1975ء ص 638
21. ایضاً ص 638
22. قمر رئیس (مرتب)، جوش ملیح آبادی کا خصوصی مطالعہ، سیمینار کمیٹی دہلی 1993 ص 290، 291

23. احسان دانش، جہانِ دانش، دانش آباد، القائم آرٹ پریس، لاہور 1975ء ص 164
24. ۔پرویز پروازی ڈاکٹر، مشمولہ: ''علامت'' جلد 9، لاہور جولائی 1998 ص 38
25. احسان دانش، جہان دانش، دانش آباد القائم آرٹ پریس، لاہور 1975 ص 556
26. ایضاً ص 646
27. رحیم گل، داستان چھوڑ آئے، مکتبہ رابعہ بک ہاؤس لاہور، س ندارد ص 192
28. برق، غلام جیلانی، میری داستان حیات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1989 ص 3
29. اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر، گردِ راہ، مکتبہ افکار کراچی، 1984ء ص 10